درس سورۃ التغابن

ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات

حافظ عاکف سعید

کے دو خطاباتِ جمعہ کی تلخیص

گزشتہ خطاب جمعہ میں محترم ڈاکٹر صاحب نے سورۃ المنافقون بیان فرمائی تھی۔ © rasailojaraid.com
سورۃ المنافقون کے فوراً بعد سورۃ التغابن ہے جس کا موضوع ایمان ہے۔ گویا قرآن نے "تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا" کے اصول کے مطابق پہلے نفاق کی حقیقت کو واضح کیا' پھر ایمان کی۔ سورۃ التغابن کے پہلے رکوع میں ایمان کی اصل حقیقت' ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ کا بہت ہی عمدگی سے بیان ہے۔ پہلے رکوع کی دس میں سے سات آیات میں انہی کا تذکرہ ہے جبکہ تین آیات میں ایمان کی دعوت ہے۔ دوسرے رکوع کی آٹھ آیات میں سے پہلی پانچ میں ایمان کے ثمرات و نتائج' ایمان کے مضمرات اور ایمان کے نتیجے میں انسان کے رویے' عمل اور سوچ میں جو تبدیلی پیدا ہونی چاہئے اس کا ذکر ہے اور پھر آخری تین آیات میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بھرپور دعوت ہے۔ واقعتاً ایمانیات کے مباحث کا بڑی عمدگی سے اس سورۂ مبارکہ میں خلاصہ آ گیا ہے۔ گویا یہ ہمارے لئے اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا تحفہ ہے کہ اگر اس ایک سورۃ کو پڑھ لیں تو ایمان کا خلاصہ سامنے آ جاتا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا ترجمہ کرنے سے پہلے میں چاہوں گا کہ ایک بار پھر آپ ذہن میں تازہ کر لیں کہ ایمان کیا ہے؟ تَصْدِیْقُ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ یعنی اس بات کی تصدیق کرنا جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں۔ اس تصدیق کے بھی دو پہلو ہیں' ایک

© rasailojaraid.com

زبان سے اقرار کرنا اور ایک دل سے یقین۔ حقیقی ایمان، دلی یقین والا ایمان ہے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے اور جس کی بنیاد پر آخرت میں فیصلے ہوں گے۔ ہاں اقرارِ لسانی دنیا میں اہمیت رکھتا ہے۔ قانونی اعتبار سے کسی شخص کو مسلمان سمجھنے کے لئے ہمیں اس کے قول پر انحصار کرنا پڑتا ہے، لیکن جو اصل ایمان ہے، جسے قرآن ایمان کہتا ہے وہ تصدیق قلبی والا ایمان ہے۔ اب اگلے مرحلے پر آیئے کہ نبی اکرم ﷺ نے جو خبریں دی ہیں وہ کیا ہیں؟ وہ اصل میں اس کائنات کی ultimate realities ہیں۔ یعنی وہ حقائق جن تک ہمارا ذہن صرف عقل کی رہنمائی میں نہیں پہنچ پاتا اور وہ سوالات جن کے جواب کی تلاش میں فلاسفر دیواروں سے اپنا سر ٹکرا رہے ہیں، ان کے اصل، یقینی اور صحیح جواب کا نام وحی ہے جس کے انسان کے باطن میں اشارات موجود ہیں۔ اسی لئے جب رسول ان سوالوں کا جواب دیتا ہے تو انسان محسوس کرتا ہے کہ یہی حق ہے۔ یہ باطنی گواہی اندر سے پھوٹتی ہے، جب کہ فلسفی آپ کو گورکھ دھندے اور منطقی موشگافیوں میں الجھا کر اگر ایک نتیجے تک پہنچاتا ہے تو وہ خود بھی تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ پڑھنے والا بھی اس کے بارے میں حیران و پریشان ہوتا ہے کہ اس کو مانوں یا نہ مانوں، شاید دلیل منطقی طور پر تو صحیح ہو لیکن ذہن کو اپیل نہیں کر رہی۔ بہرحال اس سورۃ کے پہلے حصے میں آپ کو ان ultimate questions کا جواب ملے گا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾

''اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اُسی کی حکومت ہے، اُسی کا اختیار ہے، اُسی کے لئے کل شکر اور تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

نبی اکرم ﷺ جس اللہ کو ماننے کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہستی وہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اور زمین و آسمان کی ہر شے اس کی تسبیح میں مشغول ہے۔ اور تسبیح کیا ہے؟ اللہ کے بارے میں یہ احساس کہ وہ ہر عیب، نقص، کمی اور کوتاہی سے پاک اور مبرا ہے۔ چنانچہ کائنات کا ہر ذرہ اپنے وجود سے اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ میرا

© rasailojaraid.com

خالق ایک ذاتِ باکمال ہے۔ اس میں کوئی عیب نہیں، کوئی نقص نہیں، کسی اعتبار سے کوئی کمی اور کوتاہی نہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اختیار اور اقتدار بھی اُسی کا ہے، پوری کائنات میں اُسی کا سکّہ رواں ہے، اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ انسان کو تھوڑی سی غلط فہمی اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے معاملے میں دیکھتا ہے کہ میرے پاس تو اختیار ہے، میں چاہوں تو ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کا دعویٰ کر دوں، جو جی چاہے قانون بناؤں، سیاہ و سفید کا مالک بن جاؤں۔ لیکن یہ بہت بڑا مغالطہ ہے، کیونکہ خود انسان اپنے وجود پر بھی بہت سے اعتبارات سے قدرت نہیں رکھتا۔ وہ اپنی بڑھتی ہوئی عمر کو روک نہیں سکتا۔ اسی طرح وہ یہ تو جان لے گا کہ اسے فلاں بیماری لاحق ہے لیکن ہر بیماری پر قابو پانا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ موت کا تو کوئی علاج تجویز ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا سارا اندرونی نظام اللہ کے حکم سے چل رہا ہے، اس کا کوئی کنٹرول اس کے پاس نہیں۔ وہ اس بارے میں بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا کہ اس نے کہاں پیدا ہونا ہے اور کس رنگ کے ساتھ پیدا ہونا ہے۔ وہ تو خود اللہ کے نظام میں جکڑا ہوا ہے۔ لیکن اللہ نے اس کو ایک معنی میں اختیار دیا ہے تاکہ اُسے آزمائے۔ یہ دنیا دراصل دارالامتحان ہے اور اس امتحان کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کو کچھ نہ کچھ اختیار دیا جاتا اور پھر دیکھا جاتا کہ وہ کدھر جا رہا ہے، اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔ حقیقت کے اعتبار سے اللہ ہی کی حکومت ہے، اسی کا اختیار ہے، اس لئے تعریف بھی اُسی کی ہے، شکر بھی اُسی کا ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کا اختیار ہر شے پر محیط ہے۔ آگے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

''وہی ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا، پھر تم میں کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے''۔

''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ'' کے الفاظ میں ایک اہم سوال کا جواب مل گیا کہ ہم از خود پیدا نہیں ہوئے، کوئی ہمارا خالق ہے۔ یہ کائنات لگے بندھے قوانین کے تحت خود بخود

© rasailojaraid.com

نہیں چل رہی ہے کہ کچھ اتفاقات کے نتیجہ میں کوئی چیز ظہور پذیر ہو گئی اور پھر اس کے اندر کچھ اصول خود بخود بن گئے۔ ایسا نہیں ہے' بلکہ وہی اللہ تمہارا خالق ہے جس کی تسبیح و تحمید میں کائنات کا ہر ذرہ مشغول ہے' جس کا اختیار و اقتدار پوری کائنات پر ہے۔ ہاں تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم میں سے بعض اُس کا انکار کرتے ہیں' لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ انسان کو اللہ نے بنایا ہی اس لئے ہے کہ اسے امتحان میں ڈالا جائے' لہٰذا کچھ اختیار دیا ہے' اور اس اختیار کو جو انسان ناجائز طور پر استعمال کر رہا ہے وہ اپنے خالق کا انکار کرنے پر تلا ہوا ہے' لیکن اس سے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' سارا نقصان اسی کا اپنا ہے۔ یہ اختیار بھی اللہ ہی کا دیا ہوا ہے کہ کوئی ایمان لائے یا کوئی انکار کرے۔ لیکن اس choice کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہاں اندھیر نگری ہے کہ جو چاہو کرو اور سب کا انجام ایک سا ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا! اگر اس نے یہ اختیار دیا ہے تو وہ تم پر کڑی نظر بھی رکھے ہوئے ہے۔ آخرت میں انسان کے اعمال پر ہی جزا و سزا کا معاملہ ہو گا۔ لہٰذا جو قدم بھی اٹھاؤ سوچ سمجھ کر اٹھاؤ۔ اگلی آیت میں اس بات کو مزید واضح فرمایا:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾

''اُس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ' اور اُسی نے تمہاری صورت گری کی اور کیا ہی عمدہ صورت گری کی' اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے''۔

یہاں اس سوال کا جواب بھی مل گیا کہ کائنات کیوں پیدا کی گئی ہے۔ دراصل بہت سے ایسے مذاہب یا ایسے فلسفے دنیا میں رہے ہیں جن کا نقطۂ نظر تھا کہ کائنات کے کوئی خالق یا کچھ دیوتا ہیں تو سہی' لیکن انہوں نے اپنی تفریح طبع کے لئے یہ کائنات بنائی ہے جسے وہ آسمان پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ انسانوں کا باہم دست و گریباں ہونا' یہاں کی ہنگامہ آرائی کا وہ نظارہ کر رہے ہیں۔ اس آیت میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ نے اس زمین و آسمان کو ایک مقصد' ایک حکمت کے تحت پیدا

© rasailojaraid.c

کیا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہاری صورت گری کی۔ ویسے تو پوری کائنات اللہ کی مصوری کا شاہکار ہے' لیکن خاص طور پر انسان اس بارات کا دولہا ہے۔ اس انسان کو اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا۔ یہ اللہ کی خلاقی کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان اپنی عظمت سے غافل ہے۔ بہرحال اس بات کا ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ جب اللہ نے پوری کائنات کو بامقصد پیدا کیا اور اس کائنات کے سلسلۂ تخلیق کا نقطۂ عروج انسان ہے تو کیا اسے ایسے ہی پیدا کر دیا کہ کھائے پیئے' عیش کرے اور مر جائے اور قبر کی مٹی ظالم اور مظلوم سب کو برابر کر دے' کسی کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو' کسی کا محاسبہ کرنے والا کوئی نہ ہو؟ ___ ایسا نہیں ہے' بلکہ ایک دن وہ تم سے تمہارے عمل کا حساب لے گا۔ اب آگے بہت اہم بات بیان کی جا رہی ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

''جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے' اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلم کھلا کرتے ہو اس سے بھی آگاہ ہے' اور اللہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے''۔

اب تم کہو کہ بروز قیامت جو کچھ ہم کہیں گے یا جو ہم statement دیں گے یا جو بظاہر ہمارا طرزِ عمل ہوگا اس کے مطابق حساب ہو جائے گا تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہاری نیتیں کیا ہیں' ارادے کیا ہیں' بظاہر کارِ خیر کر رہے ہو اصل مقصد کیا تھا' زبان سے عشقِ رسولؐ کے دعوے ہیں دل میں کیفیت کیا تھی' وہ سب سے واقف ہے' کوئی چیز اُس سے مخفی نہیں۔ اور وہ اپنے علمِ کامل کی بنیاد پر حساب لے گا۔ یہ اللہ کی صفت علم ہے جسے یہاں تین انداز سے بیان کیا گیا۔ ''وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔'' اپنی جگہ بات مکمل ہے' لیکن مزید مؤکد کرنے کے لئے فرمایا: ''جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور جو تم علانیہ کرتے ہو اُس سے بھی واقف ہے۔'' لیکن ایک اس سے اگلا مرحلہ بھی ہے کہ ''اللہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو تمہارے سینوں میں

© rasailojaraid.com

مخفی ہیں''۔ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض اوقات اپنے کسی عمل کے بارے میں انسان کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ میرے اس عمل کا محرک کیا ہے؟ شعوری طور پر وہ نہیں جانتا' کیونکہ کچھ چیزیں اس کے لاشعور میں بھی ہوتی ہے جس سے وہ خود بھی پورے طور پر واقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بھی واقف ہے۔ یہ ہے اس کا علم کامل جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

اب تک چار آیات میں توحید کا بیان تھا' یا یوں کہیے کہ اللہ کا تعارف یا ultimate questions کا جواب ایک حد تک مکمل ہوا۔ اب ایمان بالرسالت کا ذکر آ رہا ہے۔ فرمایا:

﴿اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾

''کیا تم تک خبریں نہیں پہنچیں ان لوگوں کی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا تھا' تو انہوں نے اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھ لیا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

قومِ عاد' قومِ ثمود' آلِ فرعون کا جو حشر ہوا کیا اس کی خبریں ہم تک نہیں پہنچیں؟ ذرا سوچو ان کا انجام کیا ہوا؟ دنیا میں ان پر عذابِ ہلاکت آیا۔ لیکن یہ نہیں کہ اس طرح ان کا حساب برابر ہو گیا بلکہ آخرت میں ایک دردناک عذاب بھی ان کا منتظر ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ آگے اس کا جواب دیا گیا:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ﴾

''یہ اس لئے کہ ان کے پاس اللہ کے بھیجے ہوئے رسول واضح اور روشن تعلیمات لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ کیا اب (ہمارے جیسے) آدمی ہماری رہنمائی کریں گے؟ چنانچہ انہوں نے انکار کیا اور مُنہ موڑ لیا تو اللہ بھی بے پروا ہو گیا۔ اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز اور اپنی ذات میں محمود''۔

رسول کے انکار کا اصل سبب کچھ اور ہوتا ہے' لیکن منکرین نے کوئی بہانہ تراشنا ہوتا ہے' مثلاً یہی کہ ہمارے جیسا انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ نے کسی کو بھیجنا تھا تو کسی فرشتے کو بھیجتا جو آسمان سے اترتا ہوا ہمیں نظر آتا اور اس کے ہاتھ میں کتاب ہوتی' یا

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہم تو اسے نبی مانیں گے جس کے دائیں بائیں فرشتے چل رہے ہوں' یہ ہمارے جیسا انسان ہماری رہنمائی پر کیسے فائز ہو گیا' یہ ہم ماننے کو تیار نہیں۔ یہ انکار کا بس ایک بہانہ ہے' حالانکہ دِل کہتا ہے کہ نبی جو بات کہہ رہے ہیں صحیح کہہ رہے ہیں' اس لئے کہ مطابق فطرت بات ہے۔ ویسے بھی رسول کا کردار خود بہت بڑی شہادت ہے۔ رسول اچانک کہیں سے نہیں ٹپکا ہے۔ اس نے انہی کے درمیان زندگی گزاری ہے' وہیں پل بڑھ کر جوان ہوا ہے۔ یہ اس کے بے داغ کردار سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی استغنا کی روش اختیار کی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں ان پر عذابِ ہلاکت آیا اور پوری قوم نسیاً منسیا کر دی گئی۔ یہ ایمان بالرسالت کی اہمیت ہے۔ اس پر گویا اہلِ عرب کو بھی خبردار کر دیا گیا کہ تم سے پہلے بڑی بڑی تہذیبوں اور بڑی بڑی اقوام نے جب رسولوں کا انکار کیا تو دنیا میں ان کا یہ حشر ہوا' [illegible] آئے گا۔ اور اللہ بے نیاز ہے' اگر کوئی اللہ پر ایمان نہیں لاتا' ناشکری کرتا ہے تو اس سے اللہ کے نظام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ جو ایسا کر رہا ہے وہ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔ اللہ تو غنی ہے' اسے کسی کی احتیاج نہیں اور وہ حمید ہے' اس کی حمد اپنے آپ ہو رہی ہے۔ اگلی آیت میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾

''کافروں کو یہ گمان ہے کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے۔ کہئے کیوں نہیں' میرے ربّ کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے' پھر تمہیں لازماً آگاہ کیا جائے گا اس سے کہ جو تم کرتے رہے' اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے''۔

مشرکین عرب کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم مر جاتے ہیں' ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ کر پیوند خاک ہو جاتی ہیں تو ہمیں پھر دوبارہ زندہ کیا جائے! یہ ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ ان کی خام خیالی ہے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ گندے پانی کی بوند سے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ عقل انسانی بھی کہتی ہے کہ اگر کسی نے ایک دفعہ کوئی کام کیا ہے تو

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

دوسری مرتبہ اس کام کا کرنا اس کے لئے آسان ہوتا ہے۔ جس نے پہلی مرتبہ تخلیق کیا ہے تو کیا وہ دوبارہ تخلیق نہیں کر سکتا۔

اب اس رکوع کی آخری تین آیات میں دعوتِ ایمان ہے۔ دیکھو اگر یہ سب باتیں سمجھ میں آ گئیں، واقعی دل نے گواہی دے دی، وہ جو ultimate questions تھے ان کے جوابات تمہیں مل گئے اور اس پر دل ٹھک گیا کہ ہاں یہی حق ہے اور اس کیفیت کے ساتھ تمہارے دل نے اسے قبول کیا ہے تو پھر اب کوئی تعصب، کوئی ضد اور دنیا کا کوئی مفاد آڑے نہیں آنا چاہئے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝﴾

''پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اُس نور (یعنی قرآن) پر جو ہم نے نازل کیا اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے''۔

اس میں ایک تنبیہ اور warning بھی ہے کہ اگر نہیں مانتے تو اللہ جانتا ہے کہ کیوں نہیں مان رہے اور تمہارے دل میں کیا پوشیدہ ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

﴿یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝﴾

''اور جس دن کہ اللہ جمع کرے گا تم سب کو اور وہ جمع کرنے کا دن (یعنی ہار جیت کا دن) ہو گا۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے۔ اصل میں یہی بڑی کامیابی ہے''۔

قیامت کے دن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ دن ہار اور جیت کے فیصلے کا دن ہو گا۔ اس میں یہ بات بین السطور موجود ہے کہ یہ دنیاوی زندگی ایک امتحان ہے۔ یہ آزمائشی وقفہ ہے۔ یہاں کی جیت یا ہار حقیقی جیت یا ہار نہیں ہے بلکہ وہ بھی اسی امتحانی عمل کا ایک حصہ ہے۔ یہاں انسان ایک بار ناکام ہو جائے تو پھر محنت کر کے کامیاب

© rasailojaraid.com

ہو سکتا ہے' لیکن یہ ناکامی یا کامیابی ناپائیدار اور عارضی ہے' اس کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔ یہ دنیا میں جو کچھ اونچ نیچ ہے یہ دراصل اللہ کی طرف سے امتحان ہے۔ آخری فیصلہ جو کامیابی یا ناکامی کا حقیقی فیصلہ ہوگا وہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ہوگا۔ وہاں کی کامیابی اصل کامیابی ہوگی۔ اور جو وہاں ناکام ہوگیا وہ اصل خسارے میں ہے۔ اس دن ناکام وہ ہوگا جس نے کفر کیا۔ لہٰذا فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ اہل جہنم ہیں' وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے''۔

© rasailojaraid.com

یہ جھٹلانا قول سے بھی ہو سکتا ہے کہ میں قرآن کو نہیں مانتا' لیکن ایک تکذیب عملی ہے کہ قرآن تو خوب پڑھ رہے ہیں' حصولِ ثواب کے لئے بھی' ایصالِ ثواب کے لئے بھی' لیکن اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ جو ہدایت قرآن نے دی ہے اسے اختیار کرنے کو تیار نہیں۔ یہ بھی تکذیب ہے۔ تو فرمایا کہ جن لوگوں نے ناشکری کی اور ہماری آیات کی تکذیب کی یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' اور بہت برا ہے یہ انجام۔ اسی ہار اور جیت کو قرآنِ مجید میں بڑے جامع انداز میں سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۸۵) میں بھی بیان کیا گیا' جہاں کامیابی اور ناکامی کو دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا گیا۔ فرمایا: ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ﴾ ''جو شخص جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہے''۔ دنیا میں چاہے دُنیوی معیارات کے اعتبارات سے وہ بہت ہی ناکام ہو۔ دنیا کی زندگی تو بہرحال گزر جائے گی' اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہاں کوئی شخص فاقوں سے رہتا ہو' کوئی مکان' کوئی جھونپڑی اس کے لئے نہ ہو' لیکن اس نے ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو پورا کیا تو اصل کامیاب وہ ہے۔ اور اگر کسی کے پاس قارون کی دولت ہو' فرعون جیسا اقتدار ہو' بظاہر بڑا کامیاب ہو' لیکن اگر ایمان اور عمل صالح کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا تو وہ آخرت

© rasailojaraid.com

میں ناکام قرار پائے گا۔

اب آیئے دوسرے رکوع کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں ایمان کے اثرات اور نتائج کا بیان ہے۔ یعنی جب ایمان کسی شخص کے باطن میں سرایت کر جائے' اس کا سینہ نورِ ایمانی سے جگمگا اٹھے تو اس کی سوچ' اس کے فکر اور اس کے طرزِ عمل میں ایک بہت بڑا انقلاب واقع ہو جاتا ہے۔ سورۂ تغابن کے دوسرے رکوع کی آٹھ آیات میں سے پہلی پانچ میں ایمان کے اثرات' نتائج اور مضمرات کا ذکر ہے اور آخری تین آیات میں ان پر عمل کی دعوت۔ جیسے پہلے رکوع کی آخری تین آیات میں ایمان کی دعوت تھی دوسرے رکوع کی آخری تین آیات میں ایمان کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کی دعوت ہے۔ فرمایا:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝﴾

''نہیں پڑتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے اذن سے' اور جو اللہ پر ایمان لائے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے' اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے''۔

دیکھئے جب ہم نے مانا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے' خالق ہے' اُس کے اذن کے بغیر کائنات میں ایک پتا تک جنبش نہیں کر سکتا' وہ ہر چیز پر قادر ہے' وہ ہر شے کا جاننے والا ہے' تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کائنات میں جو واقعہ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کے اذن سے ہو رہا ہے۔ جو یہ یقین کامل رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے۔ دراصل جو اللہ کا ماننے والا ہے' اللہ پر یقین رکھنے والا ہے' اسے معلوم ہے کہ میرا ربّ مجھ سے بڑھ کر میرا خیر خواہ ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے اذن سے ہو رہا ہے تو جو حال بھی ہو سرِ تسلیم خم ہے۔ وہ راضی برضائے رب کی کیفیت میں رہتا ہے۔ بندۂ مؤمن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ میری خیر کس میں ہے لیکن میرا ربّ اس سے خوب واقف ہے۔ لہٰذا جو سچا صاحبِ ایمان ہے اسے یقین ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے پردے میں کوئی نہ کوئی خیر ہی پنہاں ہوگا۔ یہ ہے ہدایت اور قلبی

© rasailojaraid.com

سکون واطمینان جو قارون جیسی دولت سے بھی نہیں مل سکتا۔ یہ نعمت بغیر ایمان کے نہیں ملتی۔ اس کا فائدہ کیا ہے؟ سورۃ الحدید میں اس بات کو زیادہ کھولا گیا۔ فرمایا: ﴿لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ﴾ ''تاکہ تم افسوس نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں اور اس پر پھول نہ جاؤ جو کہ اللہ تمہیں عطا فرمائے۔''

اگر کوئی موقع ہاتھ سے نکل گیا یا کسی قریبی عزیز کی جدائی کا صدمہ دیکھنا پڑا تو اس پر ایک فوری افسوس تو انسان کی فطرت کا حصّہ ہے لیکن اسے دل سے لگا لینا غلط ہے۔ کسی نقصان پر مؤمن کا دل مطمئن ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوا اللہ کے اذن سے ہوا۔ بندۂ مؤمن جانتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے بغرضِ امتحان ہے۔ بظاہر کوئی سختی یا تکلیف آئی ہے تو وہ بھی درحقیقت آزمائش ہے اور کوئی خیر ہے جسے ہم خیر سمجھتے ہیں اور کوئی فضل ہے جسے ہم فضل سمجھ رہے ہیں تو وہ بھی آزمائش کے طور پر ہے۔ گویا ایمان کا پہلا نتیجہ راضی برضائے ربّ رہنا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو' پھر اگر تم سرتابی کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف طور پر پہنچا دینا ہے''۔

ایمان کا ایک اور لازمی نتیجہ جسے ہم عام طور پر نظر انداز کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت ہے۔ سیدھی سی بات ہے جب اللہ کو ربّ مانا ہے تو اس کی کامل اطاعت درکار ہے' اور اسی طرح اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کے واسطے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ نہیں کہ ہر شخص کو براہِ راست وحی بھیجے۔ اس نے ایک کو نمائندہ بنایا' اب جو اللہ کے اس نمائندے کی اطاعت کر رہا ہے وہ اصل میں اللہ کی اطاعت کر رہا ہے۔ آگے بڑی سخت وارننگ ہے کہ اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ مطلب یہ کہ اطاعت سے گریز اللہ کے یہاں پکڑ کا باعث بن جائے گا۔ اگلی آیت میں ایمان کا ایک اور نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے:

© rasailojaraid.com

﴿اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

”دیکھو اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے“۔

توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اسباب و وسائل کو بالکل چھوڑ دے۔ توکل کے ضمن میں حضور ﷺ نے جو رہنمائی دی اس کے بارے میں بڑی پیاری حدیث ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے اونٹ کو باندھ لیا ہے؟ اس نے کہا نہیں میں نے تو اللہ پر توکل کیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پہلے اس کا گھٹنا باندھو پھر اللہ پر توکل کرو“۔ یعنی جو اسباب ہیں وہ ضرور فراہم کرو۔ سورۃ الانفال میں بھی حکم ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے جتنا جنگی سامان بھی ممکن ہو سکتا ہے فراہم کرو، البتہ توکل یہ ہے کہ بھروسہ ان اسباب پر نہ ہو کہ یہ چیز مجھے بچا لے گی، بچانے والا اللہ ہے۔ حنین کے دن تقریباً چودہ ہزار مسلمان آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ بعض کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ کبھی ہم ۳۱۳ ہوتے تھے اور دشمن ہم پر غالب نہیں آتا تھا، آج تو ہم چودہ ہزار ہیں، فتح یقیناً ہماری ہوگی۔ یعنی بھروسہ تعداد پر ہوا۔ اس پر اللہ کی طرف سے آزمائش آئی اور دشمن نے تیروں کی وہ بوچھاڑ کی کہ بھگدڑ مچ گئی۔ حضور ﷺ کے ساتھ گنتی کے چند لوگ رہ گئے۔ ایک مرتبہ تو پورا شکست کا نقشہ تھا، بعد میں پھر اللہ کی مدد آئی، لیکن اس طرح گویا مسلمانوں کو سبق سکھا دیا گیا کہ توکل اسباب اور تعداد پر نہیں بلکہ اللہ پر ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کمی کہاں ہے، کیونکہ توکل علی اللہ ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ آگے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ۚ﴾

”اے اہلِ ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں، تو ان سے بچتے رہو“۔

اگر اولاد اور بیوی کی محبت اللہ کی محبت پر غالب آ جائے اور اس کی وجہ سے انسان حلال و حرام کی تمیز بھلا بیٹھے، اور یہ محبت انسان کی عاقبت برباد کرنے کا موجب بن رہی ہو تو یہ دشمنی ہے جس کا تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔ ایمان کے جو نتائج ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ جان لو کہ بیوی اور اولاد جن سے تم سب سے بڑھ کر محبت کرتے ہو

© rasailojaraid.com

یہی تمہارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں' لہٰذا ان سے خبردار رہو! چنانچہ ایک مؤمن ان کی فطری محبت کے باوجود ان کے لئے اپنی عاقبت خراب نہیں کرتا۔ البتہ اسی آیت کے اگلے حصّے میں اسے بیلنس کیا کہ:

﴿وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اور اگر تم عفوو درگزر سے کام لو اور چشم پوشی کیا کرو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے''۔

اگر تمہیں یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ بیوی اور اولاد کی محبت میں بالقوۃ میرے لئے دشمنی کا پہلو موجود ہے تو اب یہ نہیں کہ ان کے خلاف گھر کے اندر ایک محاذ بن جائے' تھانیداری والا معاملہ ہو جائے' گھر میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگے۔ اس طرح تو پھر محبت کی جو مطلوب اور مثبت فضا ہے جس میں کہ اولاد کی پرورش پانا چاہئے وہ تہ و بالا ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ بات ذہن میں رکھو کہ اگرچہ یہ محبت تمہارے لئے خطرہ ہے مگر تمہارا طرزِ عمل عفوودرگزر اور چشم پوشی والا ہو۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی آپ کو معلوم ہے کہ اگر کسی شخص کی ہر غلطی پر ٹوکنے لگیں تو اس میں ضد پیدا ہو جائے گی۔ اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ توجہ بھی دلایئے لیکن کسی وقت چشم پوشی بھی کیجئے' کبھی سنی اَن سنی بھی کر دیجئے۔ اللہ کا طریقہ بھی یہی ہے' وہ رحیم ہے' کریم ہے' وہ بخشنے والا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں اس کی بخشش سے حصّہ ملے تو تم بھی بیوی اور اولاد کے ساتھ نرمی کرو' ان سے درگزر کیا کرو' ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو۔ اب اس ضمن میں آخری آیت آ رہی ہے:

﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

''ایک بات اور سمجھ لو کہ تمہاری اولاد اور مال تمہارے لئے فتنہ ہیں' اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے''۔

ابھی تک ذکر ہوا تھا علائق دُنیوی میں بیوی اور اولاد کا' اب ایک اور اعتبار سے مال و دولت دنیا کا بھی ذکر آ رہا ہے۔ وہ جو اقبال نے کہا ہے ۔

یہ مال و دولت دُنیا' یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ!

فرمایا یہ مال اور اولاد فتنہ ہے۔ فتنہ سے مراد کسوٹی یا آزمائش ہے جس پر انسان کو پرکھا

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وہ چیزیں جو انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہیں‘ یعنی مال اور اولاد کی محبت‘ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اولاد بھی ایک طرح سے انسان کی investment ہوتی ہے کہ بڑھاپے میں سہارا بنے گی۔ لہٰذا مال اور اولاد کو یہاں جمع کیا گیا کہ جان لو! ان دونوں کے ذریعے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ یعنی انسان اولاد پر اگر اس توقع میں محنت کر رہا ہے کہ بڑھاپے میں سہارا بنے گی تو اس کی توقع درست نہیں۔ امید لگانی ہے تو اللہ سے لگاؤ‘ کیونکہ بہترین اجر وہی دے سکتا ہے۔ اس دنیا میں ہو سکتا ہے کہ جو توقعات تم نے اولاد سے وابستہ کی تھیں وہ پوری نہ ہوں اور مایوسی ہو‘ لیکن جو تمہاری محنت کا اجر دے سکتا ہے وہ اللہ ہے۔

© rasailojaraid.c

اب اس کے بعد آخری تین آیات میں دعوتِ عمل ہے کہ اب عمل کے لئے پیش قدمی کرو‘ فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

’’پس جہاں تک ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سنو اور اطاعت کرو اور انفاق کرو‘ یہ تمہارے لئے بہتر ہے‘ اور جو شخص جی کے لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں‘‘۔

اگر یہ ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے تو آگے بڑھو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ کیونکہ یہ ایمان باللہ کا لازمی تقاضا ہے۔ سورۂ آل عمران کی ایک معروف آیت میں تقویٰ کی تاکید سب سے زیادہ ہے‘ جہاں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ ’’اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا اس کے تقویٰ کا حق ہے۔‘‘ یعنی تقویٰ اتنی اہم چیز ہے۔ تقویٰ ہے کیا؟ اللہ کی ناراضگی سے بچنا‘ معصیت سے بچنا‘ اللہ کی نافرمانی سے بچنا‘ گناہوں سے بچنا‘ اس طرزِ عمل یا رویے کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ انسان شعوری طور پر اختیار کرتا ہے کہ مجھے اللہ کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ لہٰذا وہ اب جو قدم بھی اٹھائے گا پھونک کر اٹھائے گا۔ قرآنِ مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان جس قدر [illegible] عمل اختیار کرتا ہے اس کا ایمان اتنا ہی بلند ہوتا ہے۔ مقامِ

© rasailojaraid.c

احسان تک پہنچنے کے لئے اصل قوتِ محرکہ یہی تقویٰ ہے۔

یہ جو فرمایا کہ "سنو اور اطاعت کرو" اس کا ایک تعلق ایمان بالرسالت کے ساتھ بنتا ہے۔ کیونکہ شخصی اعتبار سے آنحضور ﷺ اللہ کے نمائندے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی زبان سے جو حکم نکل رہا ہے اس حکم کو اگر معمولی سمجھا تو پھر رسالت پر ایمان محض دعویٰ ہے۔ ایمان بالرسالت کا تقاضا ہے کہ رسول جو حکم دے' چاہے بات سمجھ میں آ رہی ہے یا نہیں آ رہی' اس پر سر تسلیم خم کیا جائے۔ مؤمن کے لئے حکم ہے کہ سنو اور اطاعت کرو۔ یہی روش پھر ایک اسلامی معاشرے میں درکار ہے کہ اسلامی ریاست کا سربراہ یا کسی دینی ادارے یا جماعت کا جو سربراہ ہے اس کے حکم کو بھی سنا اور ماننا چاہئے' لیکن انہیں یہ فرق ملحوظ رکھنا ہے کہ رسول اپنی ذات میں مطاع ہے' وہ جو بھی حکم دیں گے وہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔ لہٰذا ان کا ہر حکم معروف کے درجے میں ہے' لیکن آپؐ کے بعد کسی کا یہ مقام نہیں ہے' لہٰذا کسی امیر کی اطاعت معروف کے دائرے کے اندر ہو گی۔ اگر اولی الامر معروف کے دائرے کے اندر حکم دے' یعنی امیر کا حکم اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو تو پھر ماننا پڑے گا۔ یہ جماعتی نظم ہے جو اسلام نے عطا کیا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان ایک نظریاتی اُمت ہیں جن کے سامنے شہادت علی الناس کا ایک عظیم مشن ہے۔ اس اُمت نے اللہ کا پیغام بقیہ نوعِ انسانی تک پہنچانا ہے۔ یعنی جو کام رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ ختم نبوت کی وجہ سے اب اُمت کو کرنا ہے۔ اس کے لئے سمع و طاعت والا نظم ضروری ہے۔ باقی جہاں تک نظم حکومت ہے اس میں مشاورت کی اپنی جگہ اہمیت ہے' لیکن طرزِ عمل یہ ہو کہ اطاعت کرنی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے دین کے لئے خرچ کرو' اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اس کا تعلق ایمان بالآخرۃ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اگر انسان کو یقین ہے کہ اصل گھر آخرت کا ہے تو وہ کوشش کرے گا کہ ساری کمائی وہاں کے لئے بچ جائے۔ بڑی سادہ سی مثال ہے کہ جو لوگ مڈل ایسٹ وغیرہ میں کام کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ان کا اصل گھر پاکستان ہے۔ وہ وہاں جو کچھ کماتے ہیں اس کا کم سے کم اپنے اوپر

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

خرچ کرتے ہیں باقی سارا بچا کر رکھتے ہیں یا گھر بھیجتے ہیں کہ واپس جا کر کاروبار شروع کرنا ہے یا مکان بنانا ہے۔ اسی طرح اگر آخرت پر یقین ہے کہ اصل گھر وہ ہے تو اس دنیا میں انسان کی کوشش یہ ہوگی کہ وہاں کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان جمع کرے اور یہاں کم سے کم پر اکتفا کرے۔ اگر یہیں سب کچھ لگا دیا اور وہاں کے لئے کچھ نہ بچایا تو بہت ہی خسارے کا معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا وہ بامراد ہوا۔ کیونکہ لالچ، حرص اور بخل دین کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

© rasailojaraid.com

چنانچہ فرمایا:

﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾

''اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا اور تمہیں معاف فرما دے گا، اور اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے''۔

جو مال خدمت دین اور غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کے لئے خرچ کیا جائے اس کا بہت اونچا مقام ہے۔ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے گویا وہ اللہ کو قرض دو گے۔ حالانکہ ایک اعتبار سے دیکھیں تو مال اُسی نے عطا کیا تھا، اگر اس کی راہ میں خرچ کر دیا تو یہ حق بحقدار رسید کے مصداق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدر دانی ہے کہ اسی کا مال تم اس کے راستے میں خرچ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمہ قرض سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اس کو وہ بڑھا چڑھا کر مسلسل اضافے کے ساتھ تمہیں واپس لوٹائیں گے۔

آگے فرمایا:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

''وہ جاننے والا ہے غیب کا بھی، حاضر کا بھی (چھپی باتوں کا بھی اور کھلی باتوں کا بھی) وہ زبردست اور غالب ہے (اسی کی حکومت جاری و ساری ہے) اور وہ کمال حکمت والا ہے''۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم ○○

© rasailojaraid.com